Regd. No. A. [illegible]
Telephone. No. [illegible]
Telegram. "ANJUMAN"

قیمت سالانہ [illegible]
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
[illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - یکم جولائی ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۲۵

لغت اور استعمال عام

رشید حسن خاں

(بہ سلسلہ گزشتہ)

اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہیے کہ لکھنؤ کے پرانے گھروں میں بہت سے الفاظ کا وہ تلفظ رائج ہے جو ان ڈیوڑھیوں سے باہر مقبول نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قدیم نقطۂ نظر سے معیاری تلفظ وہی ہے لیکن اب اس کو تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم اس تلفظ اور بہت سے خاص خاص الفاظ کو یادگار حیثیت سے ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن وہ سکۂ رائج الوقت نہیں بن سکتے۔ اس میں نہ کسی کو برا ماننے کی ضرورت ہے نہ جبین شکن آلود کرنے کی ضرورت ہے۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں پر اردو کے دو کار آگاہ حضرات کی تحریروں کے دو اقتباس پیش کردوں۔ جس سے اس اصول کی نوعیت زیادہ واضح اور مستند ہو جائے گی اور جس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مستقبل پر نظر رکھنے والے بعض ماہر لسانیات نے اب سے بہت پہلے اس حقیقت کو محسوس کر لیا تھا۔ مولانا نظم طباطبائی نے "اردوئے معلی" میں "ادب الکاتب والشاعر" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ اس کا ایک اقتباس دیکھئے:-

"فارسی و عربی کے بعض الفاظ اردو میں غلط بولے جاتے ہیں ان کو غلط ہی بولنا چاہیے۔ ان کو صحیح کرکے بولنا ہندیوں کی زبان پر ثقیل ہے۔ جیسے عیادت، عیاں، عیال، بہ کسر عین ہیں مگر بولتے با فتح ہیں۔ رفو میں فا کو ساکن پڑھنا چاہیے۔ لیکن فارسی و ہندی کے بیچ میں اس کا تلفظ مشکل تھا۔ رفو بہ ضم فا مستعمل ہوگیا۔ اسی طرح ناگوار میں کاف مضموم ہے لیکن اردو میں بہ فتح کاف ہی مستعمل ہے لفظ رشک اور لفظ عیار کو اکثر اہل لغت بہ کسر اول صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن اردو میں بہ فتح اول بولنا چاہیے۔ لفظ مطلع اور موقع بہ کسر قاف صحیح ہے لیکن اردو میں اس کی تصحیح ممکن نہیں۔"

(اردوئے معلی بابت فروری و مارچ ۱۹۱۳ء)

دوسرا اقتباس مولانا حالی کا ہے۔ انھوں نے "مقدمہ" میں ایک جگہ اس بحث کو بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"زبان کے متعلق ایک اور بات لحاظ کے قابل ہے۔ کہ نیچرل شاعری کے لئے جیسا کہ ظاہر ہے ہماری موجودہ زبان کافی نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس میں وسعت پیدا کی جائے۔ پس اہل لکھنؤ جو زبان کے دائرے کو روز بروز تنگ کرتے جاتے ہیں یہ امر مقتضائے وقت کے بالکل خلاف ہے ..... فی الحقیقت یہ ایک غلطی ہے جو اکثر ہمارے عربی دانوں کو علم لسانی کی ناواقفیت سے پیش آتی ہے ان کو معلوم نہیں ہے کہ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں منتقل ہوکر کبھی اصل صورت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ الا ماشاء اللہ۔ دور کیوں جائیں ہماری اردو ہی میں ہزاروں لفظ سنسکرت بھاشا کے داخل ہیں۔ باوجود اس کے شاذ و نادر ہی ایسے الفاظ نکلیں گے جو اپنی اصلی صورت پر قائم ہوں۔ مگر چونکہ ان کی اصل سے واقف نہیں ہیں اس لئے ان کو صحیح سمجھ کر بے تکلف بولتے اور برتتے ہیں۔ لیکن عربی و فارسی جن سے ان کو فی الجملہ واقفیت ہے جہاں اس کا کوئی لفظ اصل زبان کے خلاف کسی کی نظم و نثر میں دیکھا اور فوراً ناک چڑھائی۔ حالانکہ خود عربی کے بہت سے الفاظ اکثر اردو میں غلط بولے جاتے ہیں۔ اہل ایران عربی کے صدہا الفاظ غلط تلفظ کے ساتھ یا غلط معنوں میں استعمال کرتے ہیں ...... انگریزی میں تمام دنیا کی زبانوں سے الفاظ لے گئے ہیں۔ مگر کسی لفظ کو اس کی اصل صورت پر نہیں رکھا۔ اسی طرح جہاں تک استقرا کیا جاتا ہے کسی زبان کے الفاظ دوسری زبان میں جاکر اپنی اصلی وضع پر قائم نہیں رہتے۔ بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کو عربی

وفارسی یا انگریزی سے اردو میں لئے گئے ہیں۔ اور اصل وضع کے خلاف عموماً مستعمل ہیں۔ یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کہ وہ موجودہ صورت میں عربی یا فارسی یا انگریزی کے الفاظ ہیں بلکہ ان کو اردو کے الفاظ سمجھنا چاہیئے ان کو اصل کے مطابق استعمال کرنے پر مجبور کرنا بعینہ ایسی بات ہے کہ دال میں بولنے سے منع کیا جائے اور لنٹرن بولنے پر مجبور کیا جائے یا گھڑا بولنے سے روکا جائے اور گھٹ بولنے کی تاکید کی جائے جو حضرات ایسے الفاظ ترک کرنے کی ہدایت کرتے ہیں ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو آپ کو ملتان میں مقیم ہیں اور کشمیر جانے والوں کو اجازت نہیں دیتے کہ جڑاول کا بوجھ اپنے ساتھ باندھ کرلے جائیں۔"

(مقدمہ شعروشاعری)

اردو میں خلاف اصل استعمال ہونے والے الفاظ کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ وہ الفاظ جو عربی کے ہیں لیکن اہل فارس نے ان میں تصرف کیا ہے اور فارسی میں وہ دونوں طرح مستعمل ہیں۔ جیسے موسم، مقصد کہ یہ عربی میں بہ کسر حرف ثالث ہیں۔ فارسی میں متصرف ہو کر فتح ثالث بھی مستعمل ہیں۔ یا وہ الفاظ جن کی حرکات کے تعین میں ارباب لغات میں اختلاف ہے جیسے کرشمہ کہ یہ بہ کسر تین بھی ہے اور بہ فتحتین بھی۔ ایسے الفاظ کی اردو میں دو قسمیں ہیں۔

(الف) وہ الفاظ جو صرف ایک ہی حرکت کے ساتھ مستعمل ہیں اور ان کی حرکت دوم متروک ہے۔ جیسے مقصد کہ عربی میں بہ کسر صاد ہے۔ فارسی میں بہ کسرہ بہ فتح دونوں آتا ہے۔ لیکن اردو میں صرف بہ فتح صاد استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اردو میں صاد کا کسرہ متروک سمجھا جائے گا۔

(ب) وہ الفاظ جو اردو میں بھی بہ ہر دو حرکات رائج ہیں۔ جیسے موسم کہ یہ عربی میں بہ کسر سین ہے۔ اردو میں بہ کسرہ فتح سین بہ ہر دو طور مستعمل ہے۔

۲۔ ایسے الفاظ جو اصل زبانوں یعنی عربی و فارسی میں از روئے حرکات متفق الحرکت ہیں اور ان میں بظاہر کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے لیکن اردو میں خلاف لغت استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے خزانہ۔ ان کی بھی دو ذیلی قسمیں ہیں۔

(الف) وہ الفاظ جو خلاف لغت استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کی اصل حرکت قطعاً استعمال نہیں کی جاتی۔ جیسے خزانہ کہ صحیح بہ کسر خا ہے۔ لیکن استعمال عام میں صرف بہ فتح خا ہے۔ اگر اس کو بہ کسر اول بولا جائے تو کریہہ معلوم ہوگا۔

(ب) وہ الفاظ جو اصل حرکات کے ساتھ بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور خلاف اصل بھی۔ جیسے فضا کہ اصلاً بہ فتح حرف اول ہے لیکن استعمالاً بہ فتح و بہ کسرہ بہ ہر دو طور رائج ہے اور ان میں سے کسی حرکت کو مرجح نہیں کہا جا سکتا۔

۳۔ ایسے الفاظ جو اشتقاق یا معنی کے اعتبار سے غلط ہیں یعنی ان کو یا تو عربی اشتقاق کے قیاس پر خلاف ضابطہ تراش لیا ہے جیسے . . . . تیقید، تشکیل، تشکریہ وغیرہ یا جن کے معنی میں تبدیلی کرلی ہے۔ جیسے حجامت کہ عربی میں اس کے معنی ہیں "پچھنے لگوانا" اور اردو میں خط بنوانے کے مفہوم میں بولا جاتا ہے یا وہ الفاظ جن میں بے ضابطہ بعض حروف کا اضافہ کرلیا ہے۔ مثلاً طغیانی کہ اصل میں طغیان تھا یا ایسے الفاظ جن کے باب میں اساتذہ محتاط ہیں اور عام طور پر پڑھے لکھے افراد ان کو بے تکلف استعمال کرتے ہیں جیسے خراج، امرض، فوق البھڑک، وغیرہ

۴۔ ایسے الفاظ جن میں عامتہ الناس نے بے ضرورت صنعت گری کی ہے یا وہ ناواقفیت . . . . . . کے کرشمے ہیں جیسے قمیض کہ یہ کج وضع قمیص ہے یا تیف جس کو پیک کہتے ہیں۔

اس تمہیدی حصے کے بعد مذکورہ بالا تقسیمات کی روشنی میں الفاظ کی فہرست پیش کرنے سے پہلے چند قاعدوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ ضابطے محض استقرا کا نتیجہ ہیں اور ان کو منضبط کرتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ کتابی و تقریری تلفظ میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ نیز یہ کہ اردو ٹائپ کے نقطۂ نظر سے بھی بعض اضافے مفید ہو سکیں۔ ہندوستان میں فرانس وغیرہ کی طرح ایسی کوئی اکاڈمی نہیں ہے جہاں سے متفقہ فیصلے پیش کئے جائیں۔ اس بنا پر اگر چند صاحبان علم و ارباب امتیاز اس طرف توجہ کرکے مناسب قاعدوں کو قبول کرکے ان کو تقریر و تحریر میں استعمال کرنا شروع کردیں تو کافی ہوگا۔ عام لوگ خود بخود اس طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ محض قدامت پرستی کی بیساکھیاں علیحدہ کردی جائیں اور ہم لوگ دوسری زبانوں کے سہارے چلنے کے بجائے اپنی زبان سے بولنا سیکھیں۔

۱۔ عربی الفاظ میں بہ صورت ترکیب مضاف الیہ کے اول الف لام وصل کا آتا ہے جس میں سے صرف لام تلفظ میں آتا ہے اور الف گر جاتا ہے مثلاً عبدالحمید کہ اس میں الف مکتوبی ہے ملفوظی نہیں جس طرح انگریزی کے بہت سے الفاظ میں "خاموش" حروف آتے ہیں مثلاً HALF کہ اس میں L خاموش ہے لیکن انگریزی کی مثال یہاں پر بے جوڑ ہو اس کے متعلق اس نوع کی گفتگو کرنا اہل زبان کا حق ہے۔ وہ جانیں ان کی زبان جانے۔ اردو ہماری زبان ہے اس لئے اس پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ میری رائے میں ایسے تمام الفاظ جن میں الف خاموش رہتا ہے ان کو الف کے بغیر لکھنا چاہیئے مثلاً عبدالحمید کو عبدلحمید لکھا جائے۔ اس طرح ایک زائد حروف بھی ختم ہو جائے گا اور تلفظ و کتابت میں یکسانیت بھی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن اس صورت میں دونوں اجزا (عبدل۔ حمید) کو علیحدہ علیحدہ لکھنا ہوگا۔ عبدل حمید (عبدلحمید) نہیں۔ اسی طرح بالکل (بلکل) رہ جائے گا۔

(باقی)

ہماری زبان

یکم جولائی ۱۹۵۷ء

انجمن کی شاخوں کا کام

انجمن کی شاخیں یوں تو پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں اور کوئی ریاست ایسی نہیں جہاں اس کی کوئی نہ کوئی شاخ موجود نہ ہو مگر ان میں سے کم ہی باعمل اور منظم ہیں۔ بیشتر شاخوں کے ممبران کی تعداد کم ہے اور ان کے جلسے بھی باقاعدہ نہیں ہوتے۔ انتخابات بھی برسوں تک ملتوی ہوتے رہتے ہیں۔

بہت سی شاخیں یا تو صرف مشاعرے اور ادبی جلسے کرتی رہتی ہیں یا خاموش ہیں۔ مشاعرے اور ادبی جلسے بھی ضروری ہیں مگر صرف ان سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ انجمن کی شاخوں کو اپنے علاقے میں اردو کی حفاظت اور ترقی کی ذمہ داری لینا ہے۔ انجمن کی جو کانفرنس ۳۰، ۳۱ جولائی کو ہو رہی ہے اس میں ان تمام مسائل پر غور کیا جائے گا۔ مگر اس وقت ان توقعات کا اظہار بے جا نہ ہوگا جو ہم شاخوں سے رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مرکز سے ہر ممکن امداد اور مشورے پر اعتماد کیا جا سکتا ہے

سب سے پہلے ہر بڑے شہر کی شاخ کو کم سے کم دو سو اور چھوٹے شہر کی شاخ کو سو ممبر بنانے چاہئیں۔ ممبری کا چندہ اس وقت ایک روپیہ سالانہ ہے۔ اگر اسے بھی زیادہ سمجھا جائے تو دستور میں ترمیم کرکے کم کیا جا سکتا ہے۔ مگر ممبران کی تعداد بڑھانے پر پوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ہماری انجمن کی عوامی بنیاد مضبوط نہیں ہو سکتی۔

دوسرے ہر شاخ کو چاہیے کہ اپنے حلقے میں ابتدائی مدارس اور ثانوی مدارس میں اردو کی تعلیم کا جائزہ لے۔ کہاں کہاں اردو میں تعلیم ہوتی ہے۔ کہاں ختم کر دی گئی ہے اور کیا اسے پھر جاری کیا جا سکتا ہے۔ کہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ علاوہ اہم تعلیمی اداروں کے۔ شاخوں کو علیحدہ انتظام کرنا ہے۔ اعداد و شمار کے بغیر بات قیاسی اور ہوائی رہتی ہے اور ہمیں صحت بیان کا عادی ہونا ہے۔

تیسرے ہر شاخ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ سال میں ایک بار ضرور اپنا بڑا جلسہ کرے جس میں اپنے کام کا جائزہ لے۔ اس جلسے میں ریاستی شاخ کے کسی رکن یا مرکزی انجمن کے کسی رکن کی شرکت مفید ہوگی۔

چوتھے شاخوں کو حتی الوسع مقامی ضروریات کے لیے مقامی طور پر وسائل مہیا کرنا چاہئیں۔ خاص حالات میں ریاستی شاخ یا مرکز سے مدد دی جا سکتی ہے۔ مگر عام حالات کو خاص نہیں سمجھنا چاہیے

پانچویں ہر شاخ کو حتی الوسع ہندی کے اداروں، دوسری زبانوں کے ادیبوں اور قومی کارکنوں سے ربط پیدا کرنا چاہیے اب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا زمانہ گیا۔ ہمیں جو کام کرنا ہے وہ زیادہ سے زیادہ تعاون اور مدد حاصل کرکے کرنا چاہیے۔

چھٹے شاخوں کو انجمن ترقی اردو ہند کے اخبار ہماری زبان کی اشاعت میں بھی مدد دینا چاہیے۔ یہ اخبار پندرہ روزہ تھا سات مہینے سے ہفتہ وار ہے۔ اس کی اشاعت پہلے سے زیادہ ہے۔ مگر ابھی کافی نہیں۔ ذرا سی توجہ سے کئی ہزار ہو سکتی ہے

ساتویں شاخوں کو ادبی حلقے کے خریدار بنانے چاہئیں۔ ادبی حلقے کا مقصد یہ ہے کہ انجمن کی مالی بنیاد مضبوط ہو اور آمدنی اتنی بڑھ جائے کہ حکومت کی امداد پر تکیہ نہ کرنا پڑے حکومت کی امداد ہمارا جمہوری حق ہے۔ لیکن یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ ہماری اپنی آمدنی قابل لحاظ نہیں ہے۔ ہر اردو دوست کا فرض ہے کہ اس طرف پوری توجہ کرے۔ تاکہ انجمن کا رشتہ عوام سے گہرا ہو، وہ لوگوں کے ادبی ذوق کی آبیاری کر سکے اور صحت ذہنی کا معیار قائم کر سکے۔

جتنی ہماری شاخیں مضبوط، باعمل اور جاندار ہوں گی اتنی ہی مرکز کی افادیت اور کارکردگی بڑھے گی اعتراض کرنا آسان ہے مدد کرنا مشکل۔ اگر ہماری شاخیں اپنا فرض پہچان لیں تو ہم بہت جلد اردو زبان و ادب کو ہندوستان میں اس کا جائز مقام دلا سکتے ہیں

آغا محمد طاہر کا انتقال

دلی کے مشہور گھرانے کے رکن مولانا محمد حسین آزاد کے نواسے آغا محمد طاہر صاحب کا یکایک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا۔ مرحوم بہت خوش خلق اور زندہ دل بزرگ تھے جس مجلس میں بیٹھ جاتے تھے اپنی خوش بیانی، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی سے اسے باغ و بہار بنا دیتے تھے۔ دلی سے انھیں بہت انس تھا۔ دلی کے آداب و اخلاق کے وہ مجسم نمونہ تھے ان کے گھرانے کے سب لوگ دلی سے چلے گئے مگر دلی ان سے نہ چھوٹی۔ آخر دلی ہی کے ہو رہے۔

مرنے والے کی عمر ابھی ۵۵ سے بھی کم تھی۔ تندرست اور توانا تھے۔ کبھی وہم بھی نہ ہوتا تھا کہ اتنی جلدی یہ منحوس گھڑی آ جائے گی۔

کیا بھروسا ہے زندگانی کا آدمی بلبلہ ہے پانی کا

انجمن کی خبریں

پنجاب

انبالہ چھاؤنی۔ انجمن ترقی اردو پنجاب کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت جناب اے۔جی۔امیل ایم۔اے ایم۔او۔ایل۔ایل۔بی صدر انجمن ہوا جس میں سب سے پہلے انجمن کے جنرل سکریٹری ملک اوم پرکاش آنند نے بتلایا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم لوگ بھی دوسروں کی طرح اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنے کے لئے آئینی جدوجہد کریں۔ آج ہم سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کو کس طرح نقصان پہنچانے کے لئے ملک کے مختلف صوبوں میں کوششیں ہو رہی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہیں اپنی منزل کی طرف اور زیادہ سرعت کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ آپ نے کہا کہ انجمن کی شاخوں کو پنجاب میں قائم کرنے کے لئے ہمیں اپنے تمام وسائل کام میں لانے چاہئیں۔ اردو زبان ہم ہندوستان میں رہنے والوں کی ہے اور کوئی بھی طاقت اس زبان کو اس ملک کی سرزمین سے مٹا نہیں سکتی۔ اس کے بعد ملک صاحب نے سابقہ میٹنگ کی رپورٹ پیش کی۔ اور جس کے بعد متعدد ریزولیوشن پاس ہوئے اور ممبروں نے کافی جوش وخروش اور دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ پروفیسر آڈی ملک نے کہا کہ ہمیں انجمن کے ساتھ عقیدت کا ثبوت دینا چاہئے۔ اور اردو زبان کے تحفظ کے لئے ہمیں اپنی عزیز ترین زندگی بھی نثار کر دینی چاہئے۔

ریزولیوشن

۱۔ انجمن ترقی اردو پنجاب کا یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سرحدی صوبہ میں اس بڑھ رہی کشیدگی کے پیش نظر زبان کے مسئلہ کو بجائے صوبائی حکومت کے حل کرنے کے خود حل کرے۔ کیونکہ ریجنل فارمولا پنجاب میں حکومت ہند کی طرف سے لاگو کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندی رکشا سمیتی والے لوگ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ ان کے حقوق پر بیجا چھاپا مارا جا رہا ہے۔ ریجنل فارمولا میں کسی قسم کی تبدیلی کی مجاز پنجاب گورنمنٹ نہیں ہے۔ اگر ریجنل فارمولا میں کوئی طاقت کسی قسم کی کوئی تبدیلی کرنے کی مجاز ہے تو وہ صرف حکومت ہند ہے۔ اس لئے آج ہم حکومت ہند سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے کو اپنے ہاتھوں میں لے لے اور اس کے ساتھ ہی ہم ہندی رکشا سمیتی کے نیتاؤں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی جدوجہد کا رخ ریاستی حکومت کی بجائے مرکزی حکومت کی طرف کریں تاکہ اس صوبے کا امن برقرار رکھا جا سکے۔ جس سے کہ عوام نفاق اور بداعتمادی کے بجائے اتفاق اور باہمی بھروسہ کی زندگی کو پاسکیں۔ تاکہ صوبے میں خوشحالی اور ترقی لائی جا سکے۔

۲۔ انجمن ترقی اردو پنجاب کا یہ اجلاس پنجاب کے اردو زبان کے روز آنہ ، ہفت روزہ ، پندرہ روزہ اور ماہنامہ اخبارات سے اردو زبان کے نام پر اپیل کرتا ہے کہ وہ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لئے کوشش کریں۔ اور انجمن ترقی اردو پنجاب کی سرپرستی فرماتے ہوئے ہر جائز اور ممکن طریقہ سے انجمن ترقی اردو پنجاب کی رہنمائی اور رہبری کریں تاکہ اردو زبان اس صوبہ میں پنپ سکے۔

۳۔ انجمن ترقی اردو پنجاب کا یہ اجلاس حکومت پنجاب سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا جریدہ پاسبان جو کہ چندی گڑھ سے اردو زبان میں چھپتا رہا ہے (اور نہ معلوم کن وجوہات کی بنا پر بند کر دیا گیا ہے) جس کے بند ہو جانے پر اردو پڑھنے والوں کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ کو دوبارہ جاری کرے تاکہ شائقین اردو اپنی ادبی تشنگی کو بجھا سکیں۔

۴۔ انجمن ترقی اردو پنجاب کا یہ اجلاس حکومت پنجاب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ پنجاب میں ہندی اور پنجابی کی بڑھتی ہوئی کشیدگی کے پیش نظر اردو زبان کو ہی پنجاب کی سرکاری اور علاقائی زبان تسلیم کرے۔ چونکہ اردو زبان پنجاب کے ہر خاص وعام میں مقبول ہے جسے پنجاب کا ہر پڑھا لکھا باشندہ بلا امتیاز مذہب وملت بولتا اور جانتا ہے۔ پنجاب میں جس قدر اردو زبان کے اخبارات مقبول ہیں اور دوسری کسی بھی زبان کے اخبارات کو اس قدر مقبولیت حاصل نہیں ہے ہندی اور پنجابی زبان کے حامیان اپنی روزمرہ کی خط وکتابت ، تحریر وتقریر اور حساب کتاب اردو زبان میں کرتے ہیں اور دعوے ہندی اور پنجابی کا کرتے ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر اور پنجاب ایک سرحدی صوبہ ہونے کے سبب پنجاب میں مزید کسی قسم کی منافرت اور انتشار کو برداشت نہیں کیا جانا چاہئے۔ اس لئے یہ اجلاس مانگ کرتا ہے کہ پنجاب کی سرکاری زبان صرف اردو ہو۔

۵۔ یہ اجلاس انجمن ترقی اردو ہند سے مودبانہ اپیل کرتا ہے کہ وہ پنجاب شاخ کی رہبری فرمائے اور اس کمزور شاخ کی مالی امداد کرے تاکہ انجمن ترقی اردو پنجاب بھی دوسری صوبائی شاخوں کی طرح ایک منظم اور موثر شاخ بن سکے۔

(آنرس سکریٹری)۔ کے ایل۔ بھاٹیہ

غیر معروف شعرا

مختار الدین احمد

بال مکند بے صبر

مرزا غالب اور منشی بال مکند بے صبر کے تعلقات کی ابتدا کب ہوئی، اس کے متعلق تاریخ ادب اردو کا موجودہ مواد خاموش ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ ۱۸۵۵ء میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ تفتہ کے نام جو مرزا کے خطوط ہیں۔ ان میں پانچ جگہ بے صبر کا ذکر ملتا ہے

پہلا خط ۹ نومبر ۱۸۵۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ مرزا لکھتے ہیں

"بال صاحب، منشی بال مکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر قرض ہے۔ میں کیا کروں؟ اس خط میں انھوں نے اپنا پتہ سفر میں معروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں اون کے خط کا جواب کہاں بھیجتا؟ اگر تم سے ملیں، تو میرا سلام کہہ دینا"

ایک دوسرے خط میں جو ۱۲ نومبر کو لکھا گیا ہے یہ عبارت ملتی ہے:

"لالہ گنگا پرشاد، شاد تخلص اپنے کو تمھارا شاگرد بتاتے ہیں۔ مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کچھ درج ہونے کو دیوان۔۔۔ بال مکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو دینے۔ وہ دیکھ کر ان کے حوالے کر دیں"

۱۴ فروری ۱۸۶۰ء کو مرزا رام پور سے لکھتے ہیں:

"منشی بال مکند، بے صبر کا خط مع غزل سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچا۔ تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے، اور اگر دلی چلا گیا، تو وہاں سے اصلاح دے کر اون کے اشعار بھیج دوں گا۔ بے صبر کو اب کے بار بہت بے صبر پاتا ہے۔ وہ نامہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ ازبسکہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں، فرصت مشاہدۂ اوراق نہیں ملی تم اس کو اون کے پاس بھیج دینا۔"

۲۰ جولائی کے ایک خط میں بھی بے صبر کے ایک مسودے کی اصلاح کا ذکر ملتا ہے۔ آخری خط جس میں ان کا ذکر ملتا ہے وہ ہے جو انھوں نے ۱۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو مرزا تفتہ کو لکھا ہے:

"لالہ بال مکند بے صبر کا ایک پارسل ہے کہ اس کو بہت دن ہو گئے آج تک میں نے نہیں کھولا"

اس کے بعد سے غالب کے کسی خط میں بے صبر کا ذکر نہیں ملتا۔

مختصر حالات زندگی آثار ادیب (ہماری زبان ۱۵ جون ۱۹۵۷ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ تلامذۂ غالب کے فاضل مرتب نے لکھا ہے کہ بے صبر نے ۸۰ برس کی عمر میں ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔

دیوان بے صبر کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے کے وجود کا راقم کو علم نہیں۔ ذیل میں دو غزلیں مثنوی لخت جگر مطبوعہ ۱۳۰۰ھ سے اور بقیہ اشعار منشی دیبی پرشاد بشاش کے تذکرے سے منقول ہیں:

اس دل نے کیا خراب مجھ کو — دکھلائے نہ کیا عذاب مجھ کو
باہر ہوں میں اپنے آپ سے بھی — یہاں تک ہے اضطراب مجھ کو
ہے دید نہ شرط ہم دمی اب — اے آہ جلا شتاب مجھ کو
تم سے ہی چشم ہے کہ کردو — غرق اے چشم پر آب مجھ کو
ہے زندگی اپنے خون دل سے — ختم ہے قدح شراب مجھ کو
اک نام ہے رہ گیا ہے اب ننگ — اور شرم ہے اک حجاب مجھ کو
کیا تاب ہے کر سکوں جو اب صبر — بے صبر ہے اور نہ تاب مجھ کو
اے مرگ نہ مجتنب ہو مجھ سے — ہے زیست سے اجتناب مجھ کو
بے صبر ہیں زندگی سے یوں تنگ — [illegible] مجھ کو

○

آخر ترے غم میں مر گئے ہم — جو گزرا تھا ہو دکھ سو بھر گئے ہم
تو نے ہی نہ کچھ کیا نہ ہم تک — گو جان سے بھی گزر گئے ہم
تیری کمر و دہن کے غم میں — معلوم نہیں کدھر گئے ہم
تھی ایسی گھڑی کہ گھر سے آئے — بیٹھے بھی پھر نہ گھر گئے ہم
ہو کر تری عاشقی میں بدنام — نام اپنا جہاں میں کر گئے ہم
ہر سو نظر آئے اس کی لاشیں — کوچے میں ترے جدھر گئے ہم
آخر غم عشق میں رہے ڈوب — صد شکر کہ پار اتر گئے ہم
بے صبر، نہ جان کا کیا خوف — اس کوچے میں بے خطر گئے ہم

○

یہاں جب اپنا فروغ جمال تو نے کیا — تمام کر دیا مہ کو کمال تو نے کیا
نقاب دیکھ کے مجھ کو لیا ذقن تک کھینچ — گھٹا کے بدر کو ماہ ہلال تو نے کیا
ہوا خوشی سے میں تیرے سبب تصور یار — شب فراق کو روز وصال تو نے کیا
بنایا مورد الطاف [illegible] اے عشق — جس سبب تو مجھ کو صاحب جمال تو نے کیا
قدم کی [illegible] تھا ہر دو گل — کیا اور دل میں عبث اشتعال تو نے کیا
کسی کے کر کے وہ اوصاف [illegible] — زبان کو مرے بے صبر لال تو نے کیا

○

زمیں سے آسماں اور آسماں سے لامکاں پہنچے — کوئی بے صبر دیکھے کہاں سے ہم کہاں پہنچے

مآخذ

مثنوی لخت جگر مطبوعہ سہارن پور ۱۳۰۰ھ

تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، از منشی دیبی پرشاد بشاش، دہلی ۱۸۸۵ء

خطوط غالب، مرتبہ مہیش پرشاد الٰہ آباد ۱۹۴۱ء

تلامذۂ غالب از جناب مالک رام صاحب مطبوعہ اردو ادب جنوری ۱۹۵۱ء

معاصرین

اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

سنگم ہفتہ وار پٹنہ نے اپنے اداریے میں انجمن کی اردو کانفرنس پر اظہار خیال کیا ہے جگہ کی کمی کی وجہ سے یہاں اس کا اقتباس دیا جا رہا ہے۔

اب اردو والے کیا کریں؟ یہی سوال اسی پس منظر میں حل کرنا ہے۔ زید کہتا ہے کچھ نہ کریں۔ جس طرح بھارت کے سمجھدار ناگرکوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کو بیک جنبش قلم ایک لمحہ میں ہندی یونیورسٹی میں تبدیل کر کے اردو کے بیش بہا ترجموں اور سائنسی فنی و دیگر قیمتی کتابوں کو کباڑیوں کے حوالے کر دیے جانے کی ترغیب دی، اسی طرح ہم بھی چپ چاپ اور اچانک اردو کا بھوت سر سے زبردستی اترواکر اس پرانے محبوب سے سارا ناتا توڑ لیں۔ اور اپنی ساری اردو کتابیں بہ حساب سیر کے حساب سے بیچ کر اس کے پیسے بچوں کے حوالے کریں تاکہ وہ سینما دیکھیں اور سگریٹ پئیں۔ عمر کہتا ہے کہ نہیں ہمیں اپنی جدوجہد حدود آئین ..... کے اندر جاری رکھنا چاہئے۔ اور بھارت کے پارلیمنٹ کے ممبران ریاستوں کے ممبران اسمبلی نیز جماعتی رہنماؤں سے باتیں کر کے انہیں اپنا نقطۂ نظر سمجھا کر ہم خیال بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ آہستہ آہستہ اردو کو مراعات دلواتے رہنے کی کوششوں کو جاری رکھنی چاہئے۔ بکر کا خیال ہے کہ جب دستوری جدوجہد ناکام ہوگئی تو ہمارا اگلا قدم دستور کے گھیرے کے باہر ہونا چاہئے۔ ستیہ گرہ اور عدم تعاون کی پالیسی پر عمل کرنا چاہئے۔ الف کی رائے ہے کہ اردو کے مسئلہ کو خالص سیاسی مسئلہ بنا کر اسی نہج پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ (ب) اسے غلط قرار دیتے ہوئے اس خیال کا حامی ہے کہ ہمیں حکومت کا سہارا چھوڑ کر خود اپنی اردو کی ترقی تحفظ اور بقا کی صورتوں پر عمل کرنا چاہئے اور تن من دھن سے اس کے لئے وقف ہو جانا چاہئے۔

لیکن بکر الف ب سب اپنے خیالات کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں اور سبھوں کے دلائل میں کچھ نہ کچھ جان ضرور ہے۔

یہی ہیں وہ سوالات جو ہمارے سامنے علی گڑھ کی کانفرنس کے موقع پر آئیں گے۔ کانفرنس گرمی کی فضا میں ہوگی مگر ہمیں دل اور دماغ کو ٹھنڈا کر کے نہایت سنجیدگی سے تمام گوشوں اور کیفیات کے پیش نظر فیصلہ کرنا ہے کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہو؟ تعمیری یا تخریبی عملی یا زبانی، انقلابی یا سابقی دستوری، مثبت یا منفی، فعال و

متحرک یا جامد و ساکت؟

ہماری ناچیز رائے ہے کہ ہمیں ایک تعمیری عملی انقلابی مثبت فعال و متحرک قدم اٹھانا ہے حکومت نے فارسی کے مقابلہ میں اردو کو کب پنپنے دیا۔ حکومت نے انگریزی پر کب اردو کو ترجیح دی۔ حکومت آج نہیں مانتی نہ مانے کل اسے ماننا ہوگا ہمارے استقلال اور ثابت قدمی و اولوالعزمی کی ضرورت ہے ؎

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

پنجاب میں اُردُو

انبالہ کی خبر ہے کہ انجمن ترقی اردو شاخ پنجاب نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ اردو کو پنجاب کی سرکاری زبان بنائے کیونکہ یہی زبان ایک مدت دراز تک سارے پنجاب میں مروج رہی ہے اور آج بھی اس کی مسلمہ حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے نیز پنجابی اور ہندی کے جھگڑے کا واحد حل یہی ہے کہ اردو کو ان کی جگہ دی جائے اور اس کی عام مقبولیت سے فائدہ اٹھایا جائے" اردو نہ صرف عوام کی مقبول زبان ہے جو عام طور پر ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ سرکاری اور نجی طور پر خط و کتابت بھی اسی میں ہوتی ہے۔ جو لوگ ہندی اور پنجابی کے نام پر لڑ رہے ہیں وہ بھی اردو کے استعمال پر مجبور ہیں اور تمام معاملات میں اسی سے کام لیتے ہیں ــ" اس وقت پنجاب میں یا تو ہندی کی حمایت ہے یا پنجابی زبان کی۔ مگر حمایت یا مخالفت کا ذریعہ کیا ہے؟ وہی اردو زبان جسے صوبہ بدر کیا گیا ہے۔ جو سرکاری سرپرستی سے محروم ہے جس کے چلن کو اینٹی نیشنل قرار دیا گیا ہے گویا اتفاق اس میں ہے کہ موافقت اور مخالفت کا ذریعہ صرف اردو ہو لیکن اپیل کرنے

والوں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر اردو کی مقبولیت ہی اس کی جاں بخشی کے لئے کافی ہوتی تو اسے دیس نکالا ہی کیوں ملتا۔ اردو کی مقبولیت اور اس کا عام چلن ہی اس کے لئے وبال جان بن گیا ہے وہ مقبول نہ ہوتی تو اس کی مخالفت میں کون وقت ضائع کرتا؟ مگر وہ مقبول ہے، منظور نظر ہے، خط و کتابت کا واحد ذریعہ ہے۔ اخبارات کی زبان ہے۔ جرائم کی اتنی طویل فہرست کے بعد بھی اس کی بقا کے لئے اپیل کرنا اعانت جرم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اپیل بہت معقول ہے بشرطیکہ سماعت کرنے والے بھی انصاف پسند ہوں لیکن جب انصاف کا تقاضہ یہ ہو کہ ایک مقبول اور مروج زبان مٹا دی جائے تو کسی معقول اپیل کے لئے گنجائش ہی کہاں نکل سکتی ہے؟ تاہم زندوں کے لئے مایوسی کفر ہے اس لئے ہم اس اپیل کی حمایت میں حکومت سے اپیل کریں گے کہ وہ اس پر خلوص اور احتیاط کے ساتھ غور کرے اور اپنے صوبے میں اردو کے لئے کوئی گنجائش نکالے۔ (روزنامہ الجمعیۃ دہلی)

علاقائی نہیں کل ہند زبان

مبصر ہماری زبان علی گڑھ انجمن ترقی اردو کی آئندہ کانفرنس کے سلسلے میں اپنا نیا موقف بایں الفاظ پیش کرتا ہے۔

"قیصرے ہمیں پکارے گلے کہنا چاہیے کہ اردو صرف علاقائی زبان نہیں بلکہ کل ہند زبان ہے۔ ہندی اور انگریزی کے علاوہ یہی ایک زبان ایسی ہے جو سارے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جس کے بولنے والے متعدد ریاستوں میں خاصی بڑی تعداد میں ہیں۔ اس کا علاقہ کسی ایک ریاست کے حدود اربعہ کا پابند نہیں ہے بلکہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔۔۔ چوتھے اس آل انڈیا زبان کو ان ریاستوں میں سرکاری حیثیت سے تسلیم کرانا چاہیے جن میں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے......"

دستور ساز اسمبلی میں "ہندوستانی" کے بجائے "ہندی" کو سرکاری زبان قرار دینے کے بعد اردو کے لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوگیا تھا اور موتمر اردو نے دستخطوں کی مہم اسی مقصد کے پیش نظر شروع کی تھی لیکن دور حاضر کے خان بہادروں نے اپنے دخل در معقولات سے معاملہ کچھ سے کچھ بنا دیا۔ دستخطوں کی پوٹ صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ تو اس محدود نقطۂ نظر کو لے کر کہ یوپی میں اردو کو علاقائی حیثیت دینے کا حکم صادر کیا جائے۔ یہ حکم نہ صادر ہوا تو گاڑی رک گئی۔ اور آج تک انجمن کے اجارہ داروں سے کچھ بنائے نہ بنی۔ نتیجہ تھا کہ اردو کا مقدمہ

سپریم کورٹ اور بین الاقوامی عدالت تک لے جایا جائے گا یعنی تگ و دو کی جائے گی۔ مگر واہ! جن حضرات کا اصل مقصد ایسی تحریکوں میں نہ پڑنے سے صرف یہ ہو کہ چلتی گاڑی میں روڑا اٹک جائے اور حصول خوشنودی در صوبے کے لئے ان پر اپنا قبضہ رہے وہ ایسی گرما گرم باتیں نہ کرتے تو پبلک ان کی جانب متوجہ ہی کیوں ہوتی؟ اور اردو کا مسئلہ جوں کا توں ٹنگا ہی کیوں رہ جاتا؟

اب انجمن کا ترجمان اپنے نئے موقف میں اردو کو کل ہند حیثیت سے منوانے کا عزم ظاہر کرتا ہے۔ مگر کیا ارباب انجمن ترقی اردو اور اس کے دامن سے لپٹے ہوئے اردو نواز حضرات میں اس عزم کو پورا کرنے کا دم خم ہے؟ (ہماری آواز کا تبصرہ)

حکومت اردو کو پروٹیکشن کیوں نہیں دیتی؟

الہ آباد سے ایک ہفتہ وار اخبار "شعلہ" جناب تارا چند ورما صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا ہے اس کی ۲۰ جون کی اشاعت میں کرشن مل صاحب معراج کا ایک مضمون دوسرے صفحے پر بہت نمایاں طور پر شائع ہوا ہے جو حسب ذیل ہے (ہماری زبان)

اردو زبان کو کیوں آج لفظ غلط کی طرح مٹایا جا رہا ہے۔ اس زبان نے کسی اور دوسری زبان کو کیا نقصان پہنچایا ہے۔ اس زبان نے کب کسی دوسری زبان پر کلہاڑا چلایا ہے۔ اس نے کب کس زبان کا حق دبایا ہے۔ یہ کب اور کونسی زبان پر حاوی ہونا چاہتی رہی ہے۔ تاریخ میں کوئی ایسی مثال ڈھونڈنے پر بھی نہ ملے گی۔ یہ زبان تو اپنی خودداری، سلیقہ مندی اور وضعداری، تہذیب، حلاوت میں اپنی مثال آپ رہی ہے۔ اس کی زبان دانی کے متعلق برعکس کہنا حقیقت میں دروغ بیانی کے مترادف ہے۔

وہ شخص جو اردو کا نقاد ہے یا اسے جانتا ہے وہ اس بات سے کبھی منحرف نہ ہوگا کہ جو درجہ حلاوت، شیرینی، نزاکت کی زبان کے طور طریق اور طرز گفتگو کے اعتبار سے جو درجہ اردو کو حاصل ہے وہ کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔

اس زبان نے وہ شاعر، وہ ادیب، وہ فنکار، وہ مقرر، وہ ڈراما نویس، وہ افسانہ نگار پیدا کئے ہیں جن کی مثال ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ملنا مشکل رہے گی۔

ہندوستان پہلے غلام تھا۔ اور انگریز نے نہ ہی تو کبھی ہندی کو اہمیت دی۔ نہ ہی اردو کو۔ نہ ہی سنسکرت کو۔ نہ ہی فارسی کو اور پنجابی کا تو سوال ہی کیا تھا۔ دیگر صوبوں کی زبانیں بھی اسی طرح لنگڑی لنگڑی چلتی تھیں۔ مگر پھر بھی انگریز نے اگر کچھ جگہ دی تھی تو وہ صرف اردو کو۔ اگر دیش اس وقت آزاد رہا ہوتا تو اردو زبان اس وقت شاید کل دنیا کی زبان ہوتی۔ اس کے فنکار زندہ جاوید ہوتے۔ وہ بھوکوں نہ مرتے۔ ان کے بیوی بچے بلک بلک کر جان نہ دیتے۔ وہ امر ہوتے۔ ان کا اتہاس امر ہوتا۔ مگر بدقسمتی کہ وہ غلام دیش میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کا ادب کباڑیوں کی دکان پر بکا۔ ان کے ادب نے ان کی جان لی۔ وہ ادب کی بدولت بھوکے مرنے کو مجبور ہوئے ان کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوئی جبکہ ادیب و شاعر قوم کے معمار ہوتے ہیں۔ قوم کو زندگی بخشتے ہیں اگر صحیح پوچھا جائے تو قوم کی دولت ادیب و شاعر ہی ہوتے ہیں۔

آج جبکہ دیش آزاد ہوا تو فنکار نے سکھ کا سانس لیا مگر پھر اس کی بدقسمتی کہ اس کی زبان کو بڑے بڑے عہدوں سے باہر کھینچا جا رہا ہے۔ زبان کا جنازہ نکالا جا رہا ہے۔ جمہوری حکومت میں جہاں ہر زبان کو برابر کا حق ملنا چاہئے وہاں اس زبان کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اس زبان کے حامی بھی کسی اور دوسری بڑی سے بڑی زبان کے حامیوں سے کم نہیں ہیں۔ تو پھر آج کی حکومت کیوں اس زبان کی جانب سے آنکھیں پھیر رہی ہے۔ جبکہ حکومت کہتی ہے کہ زبان کی آزادی ہے۔ پریس کی آزادی ہے۔ مگر خود زبان کا گلا گھونٹنے پر تلی ہوئی ہے۔

آج اس کے باوجود بھی اردو کے فنکار ملک کی خدمت کرنے میں پھر بھی لیت و لعل نہیں کرتے۔ وہ پھر بھی ملک کی ترقی کے لئے بہت کچھ لکھ رہے ہیں۔ وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ملک کے تئیں ان کا اب بھی کیا فرض ہے کیا ذمہ داری ہے وہ آج بھی غافل نہیں ہیں۔ اور ملک کی ترقی کے لئے کیا کچھ لکھ رہے ہیں۔ یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ ان کے لیکھ، کویتا اور کہانیوں، ڈراموں، ناولوں سے مترشح ہے۔

گو زبان ان کی گھٹتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ سسک سسک رہے ہیں۔ مگر ملک کے لئے پھر بھی اپنا خون دے رہے تھے۔ ان کا ایک ایک شعر، ان کی ایک ایک سطر، ان کا ایک ایک فقرہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس میں ان کا دل بول رہا ہے۔ وہ ملک کی ترقی کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

مگر حکومت کا یہ انیائے کہ ان کی زبان ان سے چھین لی جائے کہاں تک درست ہے۔ حکومت اور خاص طور پر مرکزی حکومت ذرا ٹھنڈے دل سے اس بات کا فیصلہ کرے۔ یہی آج کے اردو کے فنکار چاہتے ہیں۔

اردو دنیا

لسانی اقلیتوں کا کمشنر

اخبار اسٹیٹسمین کی اطلاع ہے کہ مرکزی حکومت عنقریب لسانی اقلیتوں کا کمشنر مقرر کرنے والی ہے۔ کمشنر مقرر کرنے کی سفارش پارلیمنٹ نے تقریباً آٹھ مہینے ہوئے کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں کسی معزز، تجربہ کار اور مشہور قومی رہنما کا تقرر زیر غور ہے۔ مسٹر پی ملک کا نام اس سلسلے میں لیا گیا تھا مگر بعد میں انھیں گورنر بنا دیا گیا۔ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کا کام یہ ہوگا کہ وہ ملک بھر میں دورہ کرے اور اقلیت کی زبان میں تعلیم کا کیا انتظام ہے اس کی جانچ کرے۔ نیز ان علاقوں میں جہاں لسانی اقلیتیں قابل لحاظ تعداد میں ہیں دفتری کاروائی اقلیت کی زبان میں ہونے کی سفارش کرے۔ کمشنر کی رپورٹ صدر کے سامنے پیش ہوگی اور پارلیمنٹ کی میز پر بھی رکھی جائے گی۔

جگر مرادآبادی کی نظم

ایک غلطی کی اصلاح

مکرمی!

میری توجہ ہماری زبان مورخہ ۸ مئی کی ایک خبر کی طرف مبذول کرائی گئی۔ یہ خبر قطعی بے بنیاد ہے کہ حضرت جگر مرادآبادی کسی مختصر نظم میں آرہے ہیں جسے میرے بمبئی اسٹوڈیوز میں فلمایا گیا ہے۔

میں اردو زبان کا طالب علم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اردو شاعری کا ایک مخلص مداح ضرور ہوں۔ اپنی تازہ ترین فلم "گیتاں کشورہ" میں میں نے حضرت اکبر الہ آبادی کی اعلیٰ شاعری کو مناسب اور پاکیزہ طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔

زیر بحث خبر کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جناب شکیل بدایونی کی وساطت سے حضرت جگر مرادآبادی میری دعوت پر ۸ مارچ کو میرے اسٹوڈیو میں تشریف لائے اور انھوں نے میری درخواست پر اس مختصر گھریلو نشست میں اپنی وہ مشہور شاعرانہ نظم پیش کی۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس فلم میں حضرت جگر مرادآبادی کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں ہے۔ اس نشست کے معزز مہمان بھی کیمرے کے سامنے نہیں آئے۔ ان میں جسٹس حبیب علی، شکیل بدایونی، مجروح سلطانپوری اور جاں نثار اختر جیسے لوگ شامل تھے۔

یہ فلم میرا قابل فخر سرمایہ ہے جس کے ذریعے میں ہمیشہ کے لئے حضرت جگر مرادآبادی کی دلکش شخصیت اور مسحور کن آواز کو محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ مناسب موقع پر اسے کبھی آئندہ نمائش کے لئے پیش کروں گا مگر اس کا مقصد تجارتی نہ ہوگا۔ البتہ میرے فلم "پاک دامن" میں جناب شکیل بدایونی ایک مشاعرے میں اپنا کلام سناتے ہوئے ضرور دکھائے گئے ہیں۔

مخلص

(پروڈیوسر) جے۔ بی۔ ایچ۔ واڈیا

بمبئی ۱۰ جون

غزل

(بستر علالت سے)

زندگی کی بہار لے کے چلے
دامن تار تار لے کے چلے

عمر فانی چمن کی محفل سے
سینۂ صد فگار لے کے چلے

مل گئی خواب عشق کی تعبیر
عالم انتظار لے کے چلے

بے قراری میں عمر گذری تھی
آج دل کا قرار لے کے چلے

پا گئے راز خندۂ گل ہم
دیدۂ اشکبار لے کے چلے

دوستو خوش رہو جہاں بھی رہو
ہم دل سوگوار لے کے چلے

بند ہوتی نہ ٹوٹنے پائے
ہم اجل کا خمار لے کے چلے

جس کا حاصل ہے عشرت جاوید
وہ غم روزگار لے کے چلے

مل گئی داد آبلہ پائی
پرسش نوک خار لے کے چلے

طاقت جبر بے پناہ سے ہم
نشۂ اختیار لے کے چلے

ضبط غم کا جو آل ہے یہ صلہ
طعنۂ غمگسار لے کے چلے

مسعود اختر جمال

انجمن ترقی اردو

پنجاب کا مطالبہ

انبالے کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ انجمن ترقی اردو پنجاب نے ۲۲ جون کے ایک جلسے میں حکومت پنجاب سے اپیل کی ہے کہ ہندی اور پنجابی کے جھگڑے کا واحد حل یہ ہے کہ اردو کو پنجاب کی سرکاری زبان مان لیا جائے۔ انجمن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایک مدت سے اردو ہی پنجاب کی مقبول عام زبان رہی ہے اور اس کا چلن بہت وسیع رہا ہے۔

اردو کانفرنس ۳۔۴ جولائی کو ہو رہی ہے تقریباً سب مدعو حضرات آ رہے ہیں۔

علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر

جلد سوم　　۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۷ء　　صفحات

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۹۵۷ء - ۱۹۵۸ء کے سیشن میں داخلے کی اطلاع

آرٹس اور سائنس کی فیکلٹی

داخلے ۱۰ جولائی سے شروع ہو کر ۲۰ جولائی ۱۹۵۷ء کو ختم ہوں گے۔ اس کے بعد داخلے صرف غیر معمولی حالات میں ہو سکتے ہیں۔

یونیورسٹی میں سائنس، آرٹس اور کامرس میں ؟ پری یونیورسٹی امتحانات ۔ اور بی۔ اے، بی۔ ایس سی، بی کام، ایل۔ ایل بی، ایم۔ اے ایم۔ ایس سی، ایم۔ کام، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری، امور خارجہ کا ڈپلوما اور جرمن، فرانسیسی، عربی، فارسی اور روسی زبان کے پراٹیشنی ٹریننگ کے نصاب کی تعلیم کا انتظام ہے۔ چونکہ یونیورسٹی تین سال کا ڈگری کورس شروع کرنا چاہتی ہے اور انٹرمیڈیٹ کے امتحان ختم کرنا چاہتی ہے اس لئے امیدوار جنہوں نے ہائی اسکول امتحان پاس کیا ہے۔ پری یونیورسٹی کورس میں داخل کئے جائیں گے جو ایک سال کی مدت کا ہوگا۔ اس سال انٹرمیڈیٹ کے سال اول میں کوئی داخلہ نہ ہوگا۔

ایسے امیدوار جنہوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ہے وہ دو سال کے ڈگری کورس کے پہلے سال میں داخل کئے جائیں گے

یونیورسٹی نے اس سال سے (STATISTICS) کے ڈپلومے کا انتظام کیا ہے جو ایک سال کا ہوگا۔ جو دوسرے یونیورسٹی کورسوں کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے اور ان کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے جو کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور نیشنل ایکسٹنشن سروس پروجیکٹ میں پروگرس اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنا چاہتے ہیں۔

جغرافیہ، ریاضی، سائکالوجی کے ایم۔ اے پریویس اور ایم۔ ایس۔ سی پریویس میں نشستیں محدود ہیں اور ان درجوں میں داخلے کے لئے فارم رجسٹرار کے دفتر میں ۱۲ جولائی تک پہنچ جانے چاہئیں۔

بی۔ ایڈ اور ایم۔ ایڈ میں داخلے کے لئے درخواستیں براہ راست ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کو اس طرح پہنچنی چاہئیں کہ پہلی جولائی ۵۷ء تک پہنچ جائیں اور پراسپکٹس اور داخلے کے فارم ... ٹریڈرس بک ہاؤس سول لائن علی گڑھ کے پاس سے دو روپیہ کے منی آرڈر بھیجنے پر مل سکتے ہیں۔

چند اسٹوڈنٹ شپ، اور اسکالرشپ، فیس میں رعایت اور تخفیف شدہ فیس وغیرہ اور پست اقوام اور مسلمانوں کے پس ماندہ طبقوں میں مستحق طالب علموں کو اسکالرشپ مل سکتے ہیں۔

داخلے فارم اور وضاحتی پمفلٹ رجسٹرار کے دفتر سے مفت طلب کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی پراسپکٹس رجسٹرار کے دفتر سے ایک روپیہ پچاس نئے پیسے کا منی آرڈر بھیجنے پر مل سکتا ہے

رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

میسور میں اُردو صحافت کا ابتدائی دور

از عبدالغفار شکیل میسوری

وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ میسور میں سب سے پہلی مرتبہ کب چھاپے خانے کی ایجاد ہوئی اور کب سے اردو میں اخبارات نکلنا شروع ہوئے۔ صحیح واقعات ابھی تک دھندلکے میں ہیں۔ تاہم تاریخی شواہد کی بنا پر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر عشرہ میں ٹیپو سلطان شہید نے ایک سرکاری چھاپہ خانہ قائم کیا تھا اور انہیں کے حکم سے ۱۷۹۴ء میں ایک "فوجی اخبار" کا اجرا ہوا۔ جو ہفتے میں ایک مرتبہ شائع ہوا کرتا تھا۔ اس اخبار میں زیادہ تر فوجی خبریں اور فوجی احکام ہوتے تھے اور اس اخبار کی اشاعت بھی فوج کے لوگوں تک ہی محدود تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس چھاپے خانے اور اخبار کے تمام فائلوں کو انگریزی حکام نے ضبط کر لیا۔ تحقیق و تلاش سے اگر اس اخبار کا ایک نسخہ بھی ہاتھ لگ گیا تو میسور ہی کو اردو کا سب سے پہلا اخبار نکالنے کا سہرا ملے گا۔ فی الوقت تو متفقہ طور پر "جام جہاں نما" کو اردو کا سب سے پہلا اخبار تسلیم کیا گیا ہے جو کلکتہ سے ۱۸۲۲ء میں منشی سدا سکھ کی ادارت میں فارسی اخبار کے ضمیمے کی صورت میں نکلنا شروع ہوا تھا۔

ٹیپو سلطان کے سرکاری چھاپہ خانہ کے ضبط ہو جانے کے بعد میسور میں تقریباً نصف صدی تک کسی اردو پریس کا پتا نہیں چلتا۔ جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۴۳ء میں مطبع فردوسی کے نام سے بنگلور میں ایک مطبع قائم ہوا اور یہی گویا سب سے پہلا غیر سرکاری اردو پریس ہے اس کا ثبوت محمود خاں محمود مصنف "سلطنت خدا داد" اپنے الفاظ میں یوں دیتے ہیں کہ:-

"سب سے پہلے عسکر بنگلور میں جو مطبع ہندوستانی زبان کا قائم ہوا وہ مطبع فردوسی تھا جو ۱۸۴۳ء میں قائم ہوا۔ راقم کی نظر سے ایک ہندوستانی کتاب گزری جو اس مطبع میں چھپی ہے جس پر ۱۸۴۳ء لکھا ہوا ہے۔"

(از ماہنامہ کوثر بنگلور بابتہ ستمبر ۱۹۳۵ء)

اس اقتباس کی روشنی میں ہم پورے ایقان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ میسور میں اردو پریس کا باقاعدہ طور پر آغاز ۱۸۴۳ء سے ہوا۔ اس کے بعد انیسویں صدی کے اختتام تک

لہ زیر ترتیب کتاب "میسور میں اردو صحافت" سے ماخوذ۔

میسور میں جتنے بھی مطابع قائم ہوئے ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) مطبع فردوسی (۲) مطبع طلسم کرتان (۳) مطبع نبوی (۴) مطبع منشور محمدی (۵) مطبع نقشبندیہ (۶) مطبع بحر العلوم (۷) چام راج پریس (جو عالیجناب میسور کے مہاراجۂ وقت کے نام پر تھا) (۸) مطبع رضوی (۹) مطبع احمد قلندر (۱۰) مطبع قدوسیہ (۱۱) مطبع بحر الاسلام (۱۲) مطبع علوی (۱۳) مطبع حقانی (۱۴) مطبع شوکت الاسلام (۱۵) مطبع محمدی۔ وغیرہ وغیرہ۔

میسور میں اردو صحافت کی ابتداء باقاعدہ طور پر ۱۸۶۰ء سے ہوتی ہے جبکہ بنگلور سے احسن الاخبار کا اجراء ہوا۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو غلام محمد شوکت کی ادارت میں نکلتا تھا ٹیپو سلطان کے "فوجی اخبار" کے فائل دستیاب ہونے تک احسن الاخبار ہی کو میسور کا سب سے پہلا اردو اخبار سمجھنا چاہئے۔

اس کے بعد ۱۸۶۶ء میں مولوی محمد قاسم صاحب نے جو شادبھی تخلص کیا کرتے تھے، نے قاسم الاخبار جاری کیا اسی سال سلطان الاخبار بھی نکلنا شروع ہوا اس کے مہتمم و مالک منشی قادر بادشاہ تھے ۱۸۶۷ء میں حافظ سید محمد صاحب نے اپنے مطبع فردوسی سے میسور اخبار نکالا جو کافی عرصہ تک نکلتا رہا قاسم الاخبار بہت ہی مقبول عام اخبار تھا اور اس کی مدت حیات تقریباً ۴۵ سال ہے دوسرا نمبر سلطان الاخبار کا ہے جو کم و بیش ۴۵ سال تک چلتا رہا۔

جنوبی ہند کا پہلا مذہبی اخبار بھی میسور ہی سے نکلا تھا ۱۸۶۷ء میں محمد شریف صاحب نے اپنی نگرانی میں "منشور محمدی" نامی دس روزہ اخبار جاری کیا تھا۔ اس کی ضرورت یوں آ پڑی کہ شمالی ہند میں اس وقت عیسائی مبلغوں کی تحریکات خوب زوروں پر تھیں۔ ہمدردانِ ملت کو خوف ہوا کہ کہیں عوام ان کی بھولی بھالی باتوں میں آ کر اپنا مذہب نہ بدل بیٹھیں چنانچہ یہ اخبار عیسائیت کی رد میں نکلا۔ تقریباً بیس سال تک "منشور محمدی" مذہبی خدمات انجام دیتا رہا۔ مذہبی مباحث کے علاوہ اس اخبار میں مختصر خبریں بھی شائع ہوتی تھیں۔ اس اخبار کا ایک فائل انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

ایک اور اخبار "طلسم کرتان" اسی زمانے میں مطبع نبوی بنگلور سے شائع ہوا کرتا تھا۔ راقم نے قاضی عبد الغفار مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں ایک کتاب "اختر شبستانی" مصنفہ سید محمد اشرف معتمد انجمن علمی لکھنؤ دیکھی جس میں اس اخبار کا ذکر کیا گیا ہے کابل چمن کے ایک مشہور تاجر کرتان حاجی محمد قاسم اس اخبار کے سرپرست تھے

۱۸۷۵ء میں انجمن درسگاہ احباب کی جانب سے "محافظ بنگلور"

کا اجرا ہوا۔ یہ ہفت روزہ اخبار تھا جو کچھ احباب کی اجتماعی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ادارت محمد عبدالمجیب صاحب کے ذمہ تھی اور سرورق پر اخبار کی پالیسی ان لفظوں میں درج تھی۔

"قومی ہمدردی اور ملکی محبت کو حقانیت کی تلاش
اور سچائی کے اظہار میں تمام کرنا ہمارا شعار ہے"

ان دنوں شمالی ہند میں شعر و سخن کے چرچے بہت زوروں پر تھے۔ میسور میں بھی شاعروں اور ادیبوں کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ اس وقت کے رسائل کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بنگلور اور اہل لکھنؤ میں کسی شعر یا کسی لفظ پر تکرار ہو رہی ہے اور دلچسپ بحثوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ اسی کے نتیجے کے طور پر عبدالحلیم شرر نے لکھنؤ سے "دلگداز" جاری کیا جس کے جواب میں بنگلور سے قادر شریف صابر نے "دلسوز" نکالا۔ "دلگداز" میں روس اور ترکی کی جنگوں سے پلاٹ اخذ کرکے شرر نے حسن انجلینا نامی ناول لکھنا شروع کیا تو دلسوز میں حیدر علی اور انگریزوں کی لڑائی سے پلاٹ قائم کرکے ایک ناول ترتیب دیا گیا۔ لکھنؤ سے "پیام یار" نکلنے لگا تو بنگلور والوں نے "شمع سخن" جاری کیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ میسور میں اردو صحافت بڑی سرعت کے ساتھ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

ذیل میں ۱۹۰۰ء تک کے شائع ہونے والے رسائل اور جرائد کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے:

نمبر شمار	جریدے یا رسالے کا نام	زیر ادارت	سن اجرا	اشاعت
۱	فوجی اخبار	۔	۱۸۴۳ء	ہفت روزہ
۲	احسن الاخبار	غلام محمد شوکت	۱۸۶۰ء	"
۳	قاسم الاخبار	محمد قاسم فخر	۱۸۶۱ء	"
۴	سلطان الاخبار	قادر بادشاہ	"	"
۵	طلسم کرتان	حاجی کپتان محمد قاسم	۱۸۶۶ء	"
۶	میسور اخبار	حافظ سید محمد	۱۸۶۲ء	"
۷	منشور محمدی	محمد شید المجیب	۱۸۶۳ء	دو روزہ
۸	محافظ بنگلور	"	۱۸۶۵ء	"
۹	نیر اعظم	مرزا قاضی عبدالقدوس	۱۸۷۷ء	ہفت روزہ
۱۰	بنگلور اخبار	محمد حسین دوحی	"	ہفتہ میں دو مرتبہ
۱۱	تعلیم	عبدالحق تحقیق	۱۸۸۰ء	ماہنامہ
۱۲	مصلح	مولوی عبدالغنی شیروانی	۱۸۸۱ء	"
۱۳	دلسوز	قادر شریف صابر	"	"
۱۴	شمع سخن	عبدالحق تحقیق	۱۸۸۴ء	"
۱۵	بادصبا	غلام محمد شوکت	۱۸۸۵ء	ہفت روزہ

نمبر شمار	جریدے یا رسالے کا نام	زیر ادارت	سنہ اجرا	اشاعت
۱۶	ترغیب	عبدالحفیظ آرام	۔	ماہنامہ
۱۷	آزاد	۔	۔	۔
۱۸	روح سخن	۔	۔	۔
۱۹	سیڈگزٹ	۔	۔	۔
۲۰	کاس اخبار*	۔	۔	ہفت روزہ
۲۱	دلدار (فاحیہ)	۔	۔	۔
۲۲	سنبل (")	۔	۔	۔
۲۳	گستر	غلام محمد شوکت	۔	۔
۲۴	نصرت	محمد عبداللہ نصرت	۔	۔

بیسویں صدی کے آغاز تک اگرچہ میسور میں اردو صحافت نے کئی مراحل طے کر لئے تھے تاہم وہ اخبار نگاری اور شعر و سخن کے میدانوں سے آگے نہ جا سکی۔ معیار سیاست، قوم و ملک کے سیاسی مسائل کی پیچیدگیوں اور مضامین کے تنوع کی سرحدیں ابھی دور تھیں لیکن بیسویں صدی کی ابتدا کے فوراً بعد ہی میسور میں اردو صحافت کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ مضامین میں بھی تنوع آگیا۔ رسائل اور جرائد میں خبروں کے علاوہ افسانے، ڈرامے اور غیر سیاسی مسائل بھی جگہ پانے لگے۔ آئندہ کسی فرصت میں انشاءاللہ بیسویں صدی کے اخبارات و رسائل پر روشنی ڈالی جائے گی جس سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ اہل میسور نے اردو کی بقا و ارتقاء میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ کسی صورت میں بھی قابل فراموش نہیں۔

* میسوری اردو میں کاس پائی کو کہتے ہیں۔ میرے خیال میں کاس اخبار ہندوستان بھر میں سب سے سستا اخبار تھا۔

(پرنٹر پبلشر اطہر پرویز نے نیشنل پرنٹرز گونڈولی علی گڑھ سے چھپوا کر دفتر انجمن سے شائع کیا)